

اس نے میرے کندھے پر زور سے ہاتھ مار کر کہا..... ”یا وقت کی حیثیت کیا ہے؟..... نہ گزرنا چاہے تو گزارا نہیں جاسکتا گزرنا چاہے تو یوں..... جاتا ہے یوں۔“

میں آخری بار ان کا چہرہ دیکھا اور بولا..... ”کیا آپ کو علم نہ تھا کہ آپ دو زندگیوں سے کھیل رہے ہیں؟ اتنے سارے فلسفے..... اتنے سارے علم کے باوجود۔“

”ہاں اتنے سارے علم کے باوجود میں اپنے فعل پر قادر نہ تھا..... یہ علم کا سب سے بڑا المیہ ہے میرا نہیں“

میں کار سے اتر تو اس نے پاتھ بڑھا کر کہا..... ”قیوم ہاتھ نہیں ملاؤ دے آخری بار.....؟“

میں گرم جوشی سے اس کا ہاتھ پکڑ لیا..... ”سرمائی ڈارلنگ سر۔“
”یقین ماننا اس گناہ کے علاوہ میری سلیٹ بالکل پاک ہے..... اور اب مجھے اس گناہ پر افسوس بھی نہیں..... شاخیں جب تک کاٹی نہ جائیں درخت تن اور نہیں ہوتا.....“

ہم دونوں دیر تک ہاتھ ملائے ٹھہرے رہے پھر اس نے پورے زور سے Accelerator کو دبایا اور چاندنی رات میں گرداڑا تا وارث روڈ سے باہر نکل گیا۔ اس وقت گاڑی تیز چلانے کے علاوہ اس کے پاس کوئی اور چارہ نہ تھا۔!

جس وقت میں روشن کی پھوپھی کے گھر سے نکلا روشن میرے پیچھے پیچھے آرہی تھی۔

”پھر جی؟۔“

”تم فکر نہ کرو میں خود افتخار کو لینے ایئر پورٹ جاؤں گا۔“

”اچھا جی۔“

میں کئی دنوں بعد روشن سے ملنے پھوپھی کے گھر گیا تھا۔

وہ میرے پیچھے پیچھے چلی آرہی تھی اور میں پیچھے دیکھے بغیر اینگل آرن کے سفید پھاٹک کی طرف بڑھ رہا تھا۔

”میں سوچتی تھی جی کہ..... کہ میں بھی چلتی ار پورٹ آپ افتخار کو کیسے پہچان سکیں گے۔“

یکدم مجھے خیال آیا کہ واقعی میں افتخار کو کیسے پہچان سکوں گا؟
”آپ تکلیف نہ کریں میں پھوپھی جان کی کار میں وہاں پہنچ جاؤں گی وقت پر۔“

افتخار اپنے گھر والوں کو اطلاع دینے بغیر پندرہ دنوں کی چھٹی پر آ رہا تھا خطوں میں اتنی بات طے پا گئی تھی کہ وہ اچانک آئے گا اور کراچی سے ہمیں ٹیکس دے کر مطلع کر دے گا۔ اس کے بعد کچھ قانونی کام تھے۔ یعنی افتخار کا روشن کے ساتھ نکاح اور میرا روشن کو طلاق دینا یہ سارے کام نپٹانے کے بعد افتخار کو اپنے گھر موچی دروازے طے جانا تھا مجھے اپنے گھر ساندہ کلاں میں اور افتخار کی روانگی تک روشن کو وہیں پھوپھی کے گھر ٹھہرنا تھا۔ ساری سکیم میں گھر کی پھوپھی شامل تھی لیکن بار بار اس کا تقاضا ہوتا کہ کہیں بات نکل نہ جائے وہ روشن کی مدد کرنے کو تیار تھی بلکہ مغربی فلمیں دیکھ دیکھ کر اسے حالات میں بڑا مزا اور excitement کا موقع مل رہا تھا لیکن وہ موچی دروازے والے رشتے داروں سے ڈرتی بھی تھی۔ اس لیے تمام معاملے کو چوری چھپے نپٹانے کے درپے تھی۔

جس وقت افتخار کو لینے ایئر پورٹ پہنچا کراچی جانے والی سواریاں انکوائری سے لے کر اندر جانے والے چھوٹے دروازے تک بھری پڑی تھیں گوٹے کے ہار پہنے ہوئے پردیسی اور ان کی برقعہ پوش دار عورتیں..... کراچی سے آنے والی سواریوں کو

خوش آمدید کہنے اور ساتھ لے جانے والے لوگ..... گرمی کے باوجود سمر سوٹ پہنے ہوئے بزنس مین فیشن ایبل لڑکیاں اور قینٹی بکس اٹھائے ہوئے عورتیں بیورو کریٹ اور ان کے سمونائیٹ کے بیگ شلوار قمیض کے عوامی لباس میں نوجوانوں کا سر پھر ایک طبقہ..... یونیفارم میں ناکی پھیرنے والی عورتیں سیکوریٹی کے افسر، سفید وردیوں والے پامیلٹ ہری شلوار آتشی گلابی قمیض اور پرنٹ کے دوپٹوں میں اترتی ہوئی ایئر ہوسٹیس، ایرپورٹ دیکھنے کا شوق رکھنے والے بچے نمائشی جسم دکھانے والی ڈپلپتلی لڑکیاں سب جگہ لوگ ہی لوگ تھے۔

ایئر ہوسٹس لڑکیاں ان شہروں کے متعلق سوچتی نظر آتی تھیں جہاں سے وہ ابھی آئی تھیں اور جہاں کے لیے انہیں ابھی روانہ ہونا تھا بیورو کریٹ حسب عادت بار بار بارگھڑی دیکھ کر سامان کے tags کے متعلق سوچ رہے تھے فائلیں، گھریلو الجھنیں سفر کا شیڈول ان کے ذہن اور چہرے پر سوار تھا پامیلٹ سفید موروں کی طرح اتر اہٹ سے چل رہے تھے انہیں اپنی اہمیت کا احساس تھا کہ ان کے بغیر کوئی جہاز کہیں جانے کا اہل نہیں عورتوں کو گرمی لگ رہی تھی میک اپ کی تہہ تلے برقعوں کے اندر ہیلٹ والی شلواروں میں پیڈ والی باڈسوں کے اندر مردوں کو تھری پیس سوٹوں کی وجہ سے گرمی لگ رہی تھی پھنسی ہوئی ٹائی اور لاسٹک والے انڈرویئر کی وجہ سے کوٹ کی بغلوں کے نیچے اور کلانی پر بندھی ہوئی سٹین لیس سنیل کی گھڑی تلے پسینہ آ رہا تھا سب جگہ لوگ تھے۔ ہر انسان کے ساتھ کچھ وقتی کچھ طبقاتی کچھ اس کی عمر کے حساب سے جکڑنے والے مسائل تھے کوئی آدمی آزاد نہ تھا۔

ان ہی میں ایک روشن بھی تھی جس جنگلے کے پار مسافروں کے سوائے اور کوئی نہیں جاتا وہاں روشن بھی تھی جنگلے پر ہاتھ رکھے کھڑی تھی اس نے بڑھے ہوئے پیٹ کو چھپانے کے لیے ٹانے کی سفید چادر ایسے اوڑھ رکھی تھی کہ پیٹ اور بھی نمایاں ہو گیا تھا چہرہ پہلے سے کہیں زیادہ زرد تھا اور اب دونوں گالوں پر چھائیاں دھبوں کی

صورت نظر آتی تھیں۔

”میں نے پتہ کر لیا ہے فلائیٹ وقت پر آرہی ہے۔“ میں نے روشن کے قریب آ کر کہا۔

وہ چپ رہی۔

”مبارک ہو۔“

اس نے نظریں جھکا لیں۔

”اب کیا ہوگا۔“

کچھ دیر کے بعد اس نے بغیر نگاہیں اٹھائے کہا۔

”تم باہر چل کر ہوائی جہاز اترتے دیکھنا چاہتی ہو۔“

”نہیں جی باہر بہت گرمی ہے.....“ اس نے رومال سے اپنے ہونٹوں کے مالائی

والا حصہ کو پونچھا۔

”اچھا تو یہیں انتظار کر لیں.....“

اس وقت انا وٹسنٹ ہوئی کہ کراچی سے آنے والا ڈی سی ٹن لینڈ کر گیا ہے ہم

دونوں عمارت سے باہر نکلنے لگے۔

”اب کیا ہوگا جی؟.....“ اس نے میری طرف دیکھے بغیر پھر کہا۔

میں نے سگریٹ سلگایا لمبا کش لیا اور کہا..... ”تمہارا نکاح ہوگا اور کیا ہوگا۔“

”ہاں جی وہ تو ٹھیک ہے پر.....“

ہم دونوں آہستہ آہستہ بیرونی راستے کی طرف چلنے لگے۔ وہ بار بار چہرہ پونچھ

رہی تھی۔

”آپ کئی دن سے آئے نہیں.....؟“ روشن نے سوال کیا۔

”صبح میں ریڈیو سٹیشن چلا جاتا ہوں اور شام کو.....“ میں چپ ہو گیا۔

”اور شام کو؟۔“

”شام کو سائیں جی کی طرف۔“

میں نے روشنی کو یہ بتانا مناسب نہ سمجھا کہ میں ہر روز باقاعدگی کے ساتھ سائیں جی کے پاس جاتا ہوں پھر سائیں جی مجھے ساتھ لیکر ٹیلوں کی اوٹ میں چلے جاتے ہیں وہاں سائیں جی کی قبر میں بیٹھ کر ہم دونوں گھنٹہ بھر پاس انفاس کرتے رہتے ہیں۔ پھر عشاء کی نماز کے بعد سائیں جی قبر میں بیٹھ کر تلاوت شروع کر دیتے ہیں اس وقت میں ان کے پاس نہیں پوتا۔ لیکن قبر کے دہانے پر بیٹھا پر ہتا ہوں مجھے آخری سیڑھی پر بیٹھ کر خالی الذہن ہونے کی پریکٹس کرنی پڑتی ہے..... تہجد کے وقت تک مجھے جنگل کی طرف سے لاکھوں آوازیں آتی ہیں پھر فجر کے بعد اتنی خاموشی ہونے لگتی ہے کہ اپنے دل کی ڈھڑکن بھی گھڑی کی ٹک ٹک جیسی سنائی دیتی ہے سارے مسام کھڑے رہتے ہیں نتھنوں میں کئی قسم کی خوشبو آتی ہے اور لاگتا ہے کہ عین گدی کے پیچھے کوئی آہستہ آہستہ اپنے پھڑ پھڑا رہا ہے میں نے ان پروں کا ذکر سائیں جی سے کیا تو وہ بولے..... ”دیکھو بیٹا پیچھے مڑ کر نہ دیکھنا ورنہ دیوانے ہو جاؤ گے عموماً یہ موت کے پروں کی آواز ہوتی ہے اگت تم موت کے حضور خوف زدہ نہ ہو تو وہ تمہارا کچھ بگاڑ نہیں سکتی۔“

”لیکن سائیں جی پروں کی آواز مجھے ذکر کرنے نہیں دیتی۔“

”تم کو معلوم نہیں اس وقت فرشتے آسمانوں سے اترتے ہیں کچھ فرشتوں کو رزق تقسیم کرنا ہوتا ہے..... کچھ فرشتے خوشیاں بانٹنے نکلتے ہیں کچھ اسرار درموز سکھانے آتے ہیں نسل انسانی کو حکمت الہی سے شناسا کرنے بھی کئی یہاں آتے ہیں موت کا فرشتہ اپنی سواریوں کو تکلے کے لیے نکلتا ہے تم کو مڑ کر نہیں دیکھنا ورنہ ختم ہو جاؤ گے۔“

”اچھا سائیں جی.....“ ان باتوں کا ملاقاتوں کا ذکر روشن سے بالکل بیکار ہے وہ مجھ سے ایک قدم پیچھے چل رہی تھی۔

ہم دونوں ادھر آگئے جہاں ٹیکسی سٹینڈ ہے اور کراچی آنے والی سواریاں اترتی

ہیں چونکہ ڈی سی ٹن آیا تھا اس لیے سواریاں میلے کی طرح اتریں بہت انتظار کے بعد سامان پہنچا اور لوگ لدے پھندے رخصت ہونے لگے۔ دوہی مسقط کویت اور سعودی عرب سے آنے والے کماؤ لوگوں کا عجیب عالم تھا ان کے ہاتھوں میں ریڈیو ٹیپ ریکارڈر گلے میں کیمرے جسم پر فرنگی جیکٹیں، بازوؤں سے لٹکتی ترمیس اور خوبصورت کمبل کلائی پر کئی کئی گھڑیاں تھیں وہ باہر کے ملکوں میں کام کرنے کی وجہ سے خود اعتمادی کا ڈھیر نظر آتے تھے اور انہیں اپنے رشتہ دار خوشامدیوں کی طرح آگے بڑھ بڑھ کر سلام کر رہے تھے۔

بہت بعد میں افتخار آیا۔ وہ بھی جلد پلٹ لوگوں کی طرح سامان سے لدا ہوا تھا۔ جب وہ میرے قریب پہنچا تو میں نے اس کے ہاتھ سے تھرموس پکڑ لی اور کیمرہ اس نے روشن کے گلے میں لٹکا دیا وہ بہت خوش تھا۔
 ”آپ نے بہت تکلیف کی میں خود بخینج جاتا۔“
 ”کوئی بات نہیں۔“

روشن اور میں ساتھ ساتھ چل رہے تھے اور وہ ہم دونوں سے کچھ ہڑ کر چلنے کی کوشش کر رہا تھا جس وقت میں ٹیکسی والے سے جھگڑا کرنے لگا تو افتخار نے فوراً مدافعت کی..... ”کتنے پیسے مانگ رہا ہے۔؟“

”یہ ساتھ گلابرگ ہے اور یہ بیس روپے مانگ رہا ہے۔“
 ”کوئی بات نہیں سرکل چھ سات ریال کی تو بات ہے چلیں۔“
 میں شرمندہ ہو گیا۔ ہم تینوں ٹیکسی میں بیٹھ گئے وہ میرے اور روشن کے قانونی رشتے کو مد نظر رکھ کر آگے بیٹھا..... سارے راستے ایک بار بھی اس نے روشن کی طرف نہیں دیکھا۔ بلکہ پیچھے منہ کر کے صرف مجھ سے باتیں کرتا رہا۔

”ٹیچ ریکارڈ میں اپنے چھوٹے بھائی کے لیے لایا ہوں اس نے مجھے کئی خط لکھے تھے..... یہ دیکھنے بالکل Latest فیشن ہے Stero ہے میں نے کہا ایک بار لے

جانا ہے اچھا لے جانا چاہیے قیمت کی میں نے کبھی پروا نہیں کی..... یہاں ترموس کی کیا قیمت ہے۔“

میں نے اندازے سے ترموس کی قیمت بتائی۔

”مجھے تو اسی ریال میں ملی..... یہ دیکھئے..... ایسے پانی نکلتا ہے“ اس کے کہنے پر..... میں نے ترموس کی مکینکل ٹوٹنی دبا کر دیکھی۔

”پہلے میں یوشیکا کا کیمرہ لانے لگا تھا۔ پھر خیال آیا پولورائیڈ ٹھیک ہے فٹ تصویر کھینچو فٹ تیار ہو جائے۔ آپ ایسے ہی رہیں میں آپ کو دیکھاتا ہوں ابھی۔“ اس نے روشن کے گلے سے کیمرہ اتار کر چلتی گاڑی میں تصویر کھینچی۔ تصویر کیمرہ سے نکلتے ہی تیار تھی آہستہ آہستہ اس کے رنگ گہرے ہونے لگے۔ پھر اس نے وہ تصویر مجھے پکڑادی۔

شادی کے بعد روشن کے ساتھ یہ میری پہلی فوٹو تھی۔
تصویر میں روشن گھبرائی ہوئی نظر آتی تھی۔

”کمال ہے.....“ میں نے حیرت سے کہا..... ”ابھی تصویر کھینچی اور فوراً کیمرے میں ہی Develop بھی ہو گئی۔“

”اب تو جی جدے سارے لوگ Instant کیمرہ خریدتے ہیں یہاں پر اس کا نیگٹو مل جائے گا۔“

”معلوم کرنا پڑے گا..... شاید ملتا ہو..... شاید نہ ملتا ہو.....“ میں نے لجاجت سے کہا۔

گھر پہنچ کر ہم دونوں سعودی عرب کی دولت، بیرونی ممالک سے اس کے سیاسی تعلقات، پاکستان کی اور جدہ کی قیمتوں کا موازنہ مغربی کلچر کا اسلامی ممالک میں انتراح اسلامی قدروں کی بے حرمتی اسرائیل کی ویسٹ بنک کے معاملے میں ڈھٹائی اور پی ایل او کی باتیں دیر تک کرتے رہے۔ پھوپھی جان خصوصاً گلبرگی

خاتون تھیں اور چٹی ان پڑھ تھیں محض اپنی دولت کی وجہ سے گفتگو میں شریک رہیں
روشن سارا وقت خاموش تھی۔

شام کی چائے کے بعد میں نے اجازت چاہی تو سب چپ ہو گئے۔

”پھر اب؟.....“ نوجوان پلی پلائی پھوپھی نے سوال کیا۔

روشن نے لختہ بھر کونگا ہیں اٹھا کر میری جانب دیکھا۔

”اب تو مجھے فاروق صاحب سے بات کرنا پڑے گی.....“ پھوپھی بولی۔

”تو ابھی تک آپ نے ان سے بات نہیں کی.....“ افتخار نے خوفزدہ ہو کر سوال

کیا۔

”نہیں کی تو ہے..... کی تو ہے..... لیکن اب پوری طرح

arrangement کرنی پڑے گی ناں؟“

”اگر کسی نے مجھے ایئر پورٹ پر دیکھ لیا تو قیامت آجائے گی.....“ افتخار نے

ناک میں انگلی پھیر کر کہا۔

”نہیں کل ہی سب کچھ ہو جانا چاہیے..... پھوپھی نے اپنے سونے کے چوڑے

پر ہاتھ رکھ کر جواب دیا..... کیوں قیوم؟“

”جیسے آپ کہیں۔“

میں کئی دنوں سے جانتا تھا کہ افتخار روشن کو لے جانے کے لیے آرہا ہے لیکن پھر

بھی مجھے محسوس ہوا کہ سب کچھ بہت آنا نانا ہو رہا ہے۔

”آپ کسی وکیل سے مل کر طلاق کے قانونی کاغذ تیار کروالیں۔ ایک دو دن

میں۔“

یکدم روشن کا چہرہ پہلے سے زیادہ پیلا ہو گیا اور اس کی چھائیاں نمایاں ہو کر

چہرے پر پھیل گئیں۔

”دیکھئے ناں قیوم صاحب..... یہ بہت بڑا قدم اٹھا رہی ہے روشن..... ہمارے

خاندان میں پہلے ایسے کبھی نہیں ہوا اگر موچی دروازے یہ خبر پہنچ گئی تو کھرام مچ جائے گا روشن کی ماں تو زہر کھالے گی۔“

”اس وقت میں روشن کا ضامن ہوں..... میرا خیال ہے کوئی اور صورت ممکن نہیں“

”پھر بھی بھائی مختار بات نہ نکلے.....“ اس نے افتخار کو مخاطب کر کے کہا۔

”دیکھئے میں تو آپ کے پاس ہوں آپ چاہے زنجے پاؤں میں ڈال کر مجھے باندھ رکھیں باقی قیوم صاحب مالک ہیں..... یہ اگر کسی سے بات کرنا چاہیں تو میں انہیں مجبور نہیں کر سکتا۔“

”آپ ان کی طرف سے بے فکر رہیں“ پہلی بار روشن نے جواب دیا۔

جب نکاح کی تفصیلات طے پا گئیں تو یکدم روشن کی پھوپھی بولیں..... لیکن روشن ایک لاجھن میری بھی ہے..... میں نے تمہاری دل و جان سے مدد کی ہے تم تو جدہ میں آرام کرو گی عیش کرو گی گھر والوں سے مجھے ہی بھگتنا پڑے گا..... تمہارے بعد۔

روشن کا چہرہ لختہ بہ لختہ پھیکا پڑتا جا رہا تھا۔

”آپ فرمائیں آپ کی کیا لاجھن ہے..... آپ کی لاجھن کو بھی ہم خلاص کریں گے۔“ افتخار نے کہا۔

”بس جس وقت نکاح ہو جائے افتخار اپنے گھر چلا جائے اور روشن قیوم کے ساتھ چلی جائے کسی کو علم نہ ہو کہ نکاح میرے گھر میں ہوا ہے.....“ پھوپھی نے چہرے کو کاغذی رومال سے پونچھ کر کہا۔

”لیکن کبھی نہ کبھی تو یہ بھید کھلے گا.....“ افتخار بولا۔

”ہاں کبھی نہ کبھی تو ٹھیک ہے لیکن جب تک روشن پاکستان میں ہے یہ بات نہیں کھلنی چاہیے۔“

”میں قیوم صاحب کے ساتھ چلی جاؤں گی.....“ روشن نے مری ہوئی آواز میں کہا..... ”کیوں قیوم صاحب؟“

”تھیک ہے..... بالکل۔“

”خلاص..... خلاص..... اب کل تک یہ ٹاپک بند.....“ افتخار نے خوش دلی سے کہا۔

ساتھ ہی اس نے اپنی کلائی سے بندھی ہوئی چھ گھڑیوں میں سے ایک گھڑی اتار کر میری طرف بڑھائی..... ”قیوم صاحب یہ گھڑی باندلیں Digital گھڑی ہے سر بالکل نیو ڈیزائن کی۔“

”مجھے گھڑی کی ضرورت نہیں..... یہ دیکھئے یہ بندھی ہوئی ہے..... شکریہ“

میں کچھ دیر اس کے پاس بیٹھ کر جدہ ایئر پورٹ کی باتیں سنتا رہا..... اور پھر رخصت ہو گیا۔

سائیں جی اس روز ڈیرے پر موجود نہیں تھے۔ میں بھی جانتا تھا کہ مغرب کے بعد وہ کہاں ہوتے ہیں کئی دن سے میں ٹوٹا ٹوٹا بکھرا ہوا ان کے پاس پہنچتا قبر میں بیٹھ کر پاس انفاس کے وقت مجھ سے کئی غلطیاں ہو جاتیں لیکن سائیں جی جھڑکنے والے آدمی نہ تھے وہ مجھے شاید مابعد کا سچا مالک سمجھ کر میری رہبری کر رہے تھے لیکن میں تمام تر موت کے شکنجے میں تھا میرے..... تمام خواب جاگتے کی سوچیں میرے خیالی خواب موت کے متعلق ہوتے کبھی کبھیں موت سے اس درجی خائف ہو جاتا کہ بیٹھے بیٹھے میرا سارا وجود پسینے میں بھیگ جاتا اور میری پتلیاں خوف سے گھومنے لگتیں میں نے ریڈ یوشین پر اچانک استعفیٰ داخل کر دیا تھا۔ اب مجھ سے موٹر سائیکل نہ چلتی تھی مجھے لگتا تھا کہ اگلے موٹر پر اچانک میں کسی بس ٹیکسی یا کار سے بھڑ جاؤں گا روشن کو لاق سینے کے بعد بھی اس کا تمام سامان میرے گھر میں موجود تھا

بھائی مختار اور صولت بھابھی کچھ نہ جانتے تھے روشن کے گھر والوں کو معلوم نہ تھا کہ ان کی بیٹی کو طلاق ہو گئی ہے

اس روز سائیں جی کے پاس پہنچتے پہنچتے میرا سانس اکھڑا ہوا تھا۔
”آ جاؤ اندر.....“ قبر میں سے آواز آئی۔

میٹرھیوں کے باہر جوتیاں اتار کر میں اندر چلا گیا اگر بتی کی خوشبو آرہی تھی۔ ایک اور باریش بزرگ سائیں کے پاس بیٹھے تسبیح پھیر رہے تھے اس نورانی بزرگ نے ہاتھ کے اشارے سے مجھے بیٹھنے کو کہا۔

آج سائیں جی جسم اور روح کے اعتبار سے بہت چھوٹے لگ رہے تھے۔
موت سے بہت ڈرتے ہو؟..... نئے باریش بزرگ نے سوال کیا۔
میں نے اثبات میں سر ہلایا۔

”فنا کے بغیر بقا کے آرزو مند ہو؟.....“
میں نے کوئی جواب نہ دیا۔

”موت انسان کی محسن ہے..... نہ تو اس زندگی کو کتنی پائیداری ہوتی جس میں حزن و ملال کے سوا کچھ نہیں.....“ نورانی بزرگ بولے
”جی.....“

سفید ریش والے بزرگ نے میرا ہاتھ تھام لیا۔
”ہمجا رہے ساتھ چلو گے؟“

میں نے اپنے سائیں جی کی طرف دیکھا وہ آنکھیں بند کیے بیٹھے تھے۔
”کہاں جی؟.....“ میں نے سوال کیا۔

”کہاں پوچھنے والا تیار نہیں ہوتا..... باہر چل کر بیٹھو.....“

”جاؤ.....“ سائیں جی نے آہستہ آہستہ سے کہا اور پھر آنکھیں بند کر لیں۔

میں عشاء کی نماز تک باہر بیٹھا رہا لیکن قبر کے اندر سے کوئی آواز نہ آئی پھر جنگل

کی طرف سے گیدڑوں کی آوازیں آنی شروع ہوئیں۔ اور جب آسمان پر ٹیڑی بولی
تو قبر سے آواز آئی۔

”یہاں آؤ۔“

میں ڈرتا اندر چلا گیا۔

سائیں جی اکیلے بیٹھے تھے قبر میں سوندھی مٹی کی خوشبو تھی اور اکلوتی موم بتی میں
سائیں جی کے تین سائے دیوار پر پڑ رہے تھے۔

”بیٹھو.....“

میں دو زانو بیٹھ گیا۔

”آج تم نے بہت بڑا موقع گنوا دیا پیر و مرشد کے ساتھ چلے جاتے تو عاقبت
سنور جاتی۔“

”میں ڈر گیا تھا۔“

”ٹھیک ہے..... اب اگلی جمعرات کو یہیں اس لڑکی کا دیدار ہوگا جس کا تم نے
ذکر کیا ہے اگر چوک گئے تو ساری عمر کے لیے مجذب ہو جاؤں گے حواس قائم رکھے تو
اس سے فیض حاصل ہوگا..... تیار ہو.....“

”جی تیار ہوں۔“

”دیکھ لو عرفان اور دیوانگی میں بس ایک حواس کا فرق ہوتا ہے..... حواس قائم
رہیں تو عرفان نہ رہیں تو دیوانگی تیر ہو۔“

”جی تیار ہوں۔“

نکاح بہت خاموشی کے ساتھ ہوا اس کے بعد افتخار اپنے گھر موچی چلا گیا۔ اور
روشن میرے ساتھ ساندہ کلاں آگئی۔ وہ اور میں سارا رستہ خاموش رہے۔ گھر پہنچتے
ہی اسے قے شروع ہو گئی بار بار وہ غسل خانے جاتی اور واپس آخر نڈھال لیٹ

جاتی۔ میں بھابھی صولت کو اس کی حالت کی متعلق کچھ بنانا چاہتا تھا۔ میں روشن کو بتائے بغیر ڈاکٹر سے دوا لینے چلا گیا۔

پھر ہم دونوں فروغی کے علاوہ کوئی بات نہ ہوئی۔ کچھ ویزے اور پاسپورٹ کی باتیں سامان چھوڑنے اور رکھنے کے امور کچھ بدنامی کے خدشات کبھی کبھی ماں باپ اور پاکستان چھوڑنے کا غم زیرہ ذکر رہا۔ لیکن قفل دونوں طرف سخت لگا تھا۔ دوسرے دن مغرب کے وقت روشن کو افتخار کے ساتھ جدہ روانہ ہونا تھا اپنے گھر والوں سے افتخار نے جدہ واپس جانے کا ذکر نہیں کیا تھا۔ میرے گھر میں سوائے میرے اس حقیقت سے کوئی آگاہ نہیں تھا۔

یہ روشن کی میرے گھر میں آخری رات تھی ہم دونوں کے پلنگوں میں ڈیڈھنٹ کا فاصلہ تھا لیکن وہ اور میں دم سادھ چپ کیئے تھے پتہ نہیں کیا سوچتے ہوئے مجھے نیند آگئی پھر مجھے ایسے لگا جیسے کسی نے میرے بازو پر برف کی قاش رکھ دی۔ میں نے آنکھیں کھولیں روشن میرے پلنگ پر بیٹھی تھی اس کا بھاری پیٹ اس کی گود میں تھا اور ٹھنڈی انگلیاں میرے بازو پر تھیں۔

”کیا بات ہے روشن؟“

”میں آپ کا شکریہ ادا کرنا چاہتی تھی..... شاید کل وقت نہ ملے۔“

آنسو اس کی آنکھوں سے بلاتکان گر رہے تھے۔

”آپ بڑے اچھے آدمی ہیں اگر آپ میرے بچے کو قبول کر لیتے تو..... تو میں

یہاں سے کبھی نہ جاتی۔“

زندگی میں پہلی بار ایک ٹھنڈا جھونکا میرے بند دل میں گھس آیا۔

”تم..... تم یہاں رہنا چاہتی ہو میرے پاس۔“

”آپ کے مجھ پر اتنے احسانات ہیں۔ آپ نے مجھے سب کچھ دیا اور پلٹ کر

کچھ بھی نہیں مانگا.....؟“

”صرف احسانات؟.....“ میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھا۔

یکدم اس کی آنکھوں کے جھرنے بند ہوئے۔

”اگر..... اگر میں تم کو نہ جانے دوں روشن تو..... تو افتخار کو بھلا سکو گی؟“

اس نے نظریں جھکا لیں..... ”جی نہیں..... یہ ممکن نہیں۔“

میں نے آخری بار کسی کو زخم عطا کرنے کی کوشش کی اور نا کام رہا۔

”پھر یہاں رہنے کا فائدہ؟ حاصل یہاں رہنے سے۔“

”آپ مجھ سے ناراض ہیں؟..... دیکھنا..... دیکھیے ناں میں یہاں رہ سکتی ہوں

ساری عمر آپ کے پاس..... لیکن افتخار کو نہیں بھلا سکتی حالانکہ..... وہ آپ کی جوتیاں جیسا بھی نہیں۔“

میں نے اٹھ کر کھڑکی بند کر دی گندے نالے کی متعفن ہوا کے کی طرح میرے

جڑے پر پڑی اور گزر گئی۔

”سو جاؤ..... یہ باتیں فضول ہیں ایسی باتوں سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔“

کچھ سڑکیں جب شہر سے باہر نکلتی ہیں تو کافی فاصلے تک پکی اور مضبوط نظر آتی

ہیں۔ پھر ان کے کنارے بھرے بھرے ہونے لگتے ہیں جا بجا گڈھے نظر آتے ہیں

اور پکی سڑک کے راستے بدل جاتی ہے ایسا راستہ جو بارش میں کیچڑ اور دلدل میں

بدل جاتا ہے کچھ دور جا کر یہ کچا راستہ جھاڑیوں میں کھیتوں کے دہانے پر ختم ہو جاتا

ہے یہ سڑکیں کسی گھر کسی شہر کسی محلے کو نہیں جاتیں بس یوں ہی شہر چھوڑ کر دم سا چھوڑ

دیتی ہیں۔

میں بھی ایک ایسی ہی سڑک تھا۔ شادی سے نکل کر نہ جانے مجھے کہاں جانا تھا؟

اس وقت مجھے روشن میں سیسی، عابدہ، امتل اور جانے کون کون نظر آ رہا تھا سامنے بیٹھی

ہوئی گا بھن عورت سے میری کوئی جان پہچان نہ تھی ساری عمر میں نے عورتوں کے

ادھ کھلے دروازوں سے اندر جھانکنے کی کوشش کی لیکن اندروالوں نے کبھی آواز دے

کر نہ بلایا۔

”آپ کیا سوچتے ہوں گے۔“ روشن بالآخر بولی۔

”میں کچھ نہیں سوچتا روشن..... کبھی کبھی صرف اتنا کہ کاش تم نے مجھے ایک رات دھوکے میں رہنے دیا ہوتا..... کاش صرف ایک رات کے لیے کسی کا جسم کسی کا دل ایک وقت میں میرا ہوتا۔“

”آپ رو رہے ہیں جی؟“

روشن نے اپنا دوپٹہ اٹھا کر میری گال سے لگا دیا۔

”میں کیا کرتی جی میرا دل کا ہے۔ میرا جسم میں اس کی روح پل رہی ہے میں آپ سے کیسے جھوٹ بولتی۔“

مجھے اتل نے یہ نہیں بتایا تھا کہ باکرہ لڑکی ذہنی طور پر باعصمت ہی نہیں ہوتی۔ سچی بھی ہوتی ہے کاش اس نے صرف ایک رات کے لیے مجھے جھوٹ کی زندگی بسر کرنے دی ہوتی۔

”میں..... آپ جیسے اچھے انسان کو کیسے اتنا بڑا..... فریب دے سکتی تھی؟.....“

وہ چپ ہو کر اپنے پلنگ پر جا بیٹھی۔

میں نے تکیے پر سر ڈال دیا لیکن نہ میں ساری رات سویا نہ اس نے آنکھ بند کی چونکہ ہم میں قانوناً اور شرعاً کوئی رشتہ باقی نہ رہا تھا۔ اس لیے ہم انسانی کشش کے تحت ایک دوسرے کے بہت قریب آ گئے تھے۔ جیسے کسی جہاز کے باسی جہاز برو ہونے کے بعد کسی جزیرے میں رہنے لگیں اور نسل قوم مذہب کی تمام زنجیریں ٹوٹ کر انہیں نئے رشتوں میں پروئے لگیں۔

میں نے اسے آہستہ آہستہ اپنے گاؤں کے متعلق بتایا کیسے چندرا کی آبادی کلر کے ہاتھوں بے آباد ہوئی کیتوں کھلیانوں کی سفیدی کیسے ہریا ول چاٹ گئی۔ اور ڈھورڈنگر انسان سب چندرا چھوڑ کر چلے گئے پھر میں..... اسے عزیز گاتن کے متعلق

اس کی ماں کی زندگی کے متعلق ایسی تفصیل سے باتیں سنانے لگا کہ میں خود حیران رہ گیا۔ میرا خیال تھا کہ مجھے وہ تفصیلات معلوم ہیں۔

”تمہارا کیا خیال ہے روشن..... کیا بد دعا سے بستیاں اجڑ جاتی ہیں۔“

”ہاں جی..... اجڑ جاتی ہیں۔“

پہلی بار روشن سے بات کرنا بہت آسان تھا وہ پہلو کے بل کہنی ٹیک کر اپنے پلنگ پر لیٹی ہوئی تھی اور اس کا پیٹ تہہ کیے ہوئے تکیے کی طرح اس کے سینے کی طرف جڑھا ہوا تھا۔

”میں ایک دفعہ سکول سے لوٹی تو میری باجی ایک خط پڑھ رہی تھیں۔ میں نے خط کے متعلق پوچھا تو انہوں نے مجھے نہ بتایا بلکہ خط چھپا دیا..... کبھی کبھی کتنا تجسس پیدا ہو جاتا ہے انسان میں..... بھلا مجھے کیا ماننا تھا خط سے..... لیکن آخر میں نے خط تلاش کیا اور پڑھا..... وہ خط میرے خالو کا تھا..... وہ خط ایسا تھا جو انہیں باجی کو لکھنا نہیں چاہیے تھا..... مجھے خط پڑھنے کے بعد اسے وہیں چھپانا چاہیے تھا..... باجی جانتی اس کا کام جانتا..... لیکن میں نے خط پکڑ کر امی کو دے دیا..... امی نے ابو کو بتایا..... ابو نے خالو کو طلب کیا..... باجی بے چاری کا کوئی قصور نہیں تھا۔ پھر بھی وہ دھری گئی..... دیکھتے دیکھتے اس کا نکاح کر دیا گیا۔ جس روز وہ رخصت ہوئی ہے مجھے کبھی وہ دن نہیں بھولتا..... باجی میرے کمرے میں آئی اور بولی..... کاش کبھو تیرے ساتھ بھی ایسا ہو..... تو بھی شادی کہیں کرنا چاہے ہو کہیں جائے..... میں نے ڈرتے ڈرتے کہا تو کیا آپ خالو جان سے شادی کرنا چاہتی تھیں؟“

”خالو جان گئے بھاڑ میں..... مجھے ان سے کیا لینا ہے؟..... جہاں بھی میں چاہتی تھی وہاں تو تو نے نہیں ہونے دی ناں کم بخت!..... اللہ تجھے بدلہ دے..... آپ کا کیا خیال ہے..... دو لہن کی بد دعا زیادہ لگتی ہے کہ کنواری کی.....؟“

ہم دونوں کافی دیر تک ایسے ہی سوال ایک دوسرے سے پوچھتے رہے پھر میں

نے اسے اپنی ماں کی موت کے متعلق بتایا..... جیسی کا سر واقعہ سنایا، اہل قتل کی
 داستان سنائی..... لیکن ابا کے متعلق میرے منہ سے ایک لفظ نہ نکلا..... میں اپنے بابا
 گدھ کی یادوں کو کسی کے ساتھ بانٹ نہیں سکتا تھا..... مجھے لگتا کہ اس کی گمشدگی یا
 موت میری اپنی گمشدگی ہے میں اس کے ساتھ ہی کہیں کھو گیا تھا کہیں ختم ہو گیا تھا۔
 آخری بار جب میں نے ابا کو دیکھا وہ تیسری منزل پر اس مٹی کے پاس کھڑا تھا
 جس میں سے کبھی دھواں نکلا کرتا تھا۔

کیا وہ عشقِ لا حاصل سے دیوانہ ہوا؟..... کیا وہ چاچا غلام کے ساتھ مل کر رزق
 حرام کھانے کا مرتکب ہوا؟..... کیا اسے موت کے انتظار نے پاگل کیا؟

ایئر پورٹ پر افتخار موجود تھا روشن کاسوٹ کیس اٹھائے ہم دونوں اس کے پاس
 پہنچے۔ اس وقت اس نے سادہ شلوار قمیض پہن رکھی تھی اور اس کے جسم پر کوئی سامان
 نہ تھا انا و نسمنٹ سے پہلے ہی وہ دونوں ادھر چلے جانا چاہتے تھے۔ کیونکہ کسی نہ کسی
 واقف کے مل کانے کا خطرہ تھا۔

جنگلے کے پاس پہنچ کر افتخار نے سادگی اور خلوص سے ہاتھ ملایا اور بولا
 ”آپ نے میری بہت مدد کی ہے سر..... میں آپ کا شکر گزار ہوں..... کوئی اور
 ہوتا تو.....“

وہ چپ ہو گیا سعودی عرب کی کمائیاں جدے کے بازار پر دیس کی ایک اور
 Frequency کی اندگی اس کے دل کو مکمل طور پر مجبور نہ کر سکی تھی۔

”اگر آپ..... عمرہ کرنا چاہیں تو جی خادم کے پاس رہیں ڈیڈھ گھنٹے کا تو راستہ
 ہے جدہ سے..... بڑی اچھی ایئر کنڈیشنڈ بس چلتی ہے الشریکہ العربیہ النقل راستے
 میں صرف ایک بار رکتی ہے میں ٹکٹ بیچھ دوں گا آپ ٹکٹ کی فکر نہ کریں آپ بس
 آنے کا ارادہ کریں۔“

روشن چپ تھی اس کا چہرہ آج سو جا ہوا تھا اور چھائیاں گہری لگ رہی تھیں
”انشاء اللہ.....“ بہت آہستہ روشن بولی۔

”انشاء اللہ.....“ میں نے اس سے بھی آہستہ کہا۔

”میں تو مہینے میں ایک دو عمرے کھڑکا لیتا ہوں..... آپ ضرور آئیں یہ میرا ایڈریس
ہے..... آپ صرف مجھے لکھ دیں..... کب آنا چاہتے ہیں ٹکٹ پہنچ جائے گی۔
میرے پاس دو کمروں کا گھر ہے غسل خانہ سادی زندگی ہے آپ enjoy کریں
گے۔“

”اچھا۔“

اندر جانے سے پہلے افتخار نے مجھے جھپی ڈالی اور میرے کندھے کرچوم کر بولا
مجھے بڑا افسوس ہے سر لیکن.....“
اس کی موٹی موٹی آنکھوں میں آنسو آگئے اور وہ روشن کابیگ اٹھا کر جلدی سے
جنگلے کے اس پار چلا گیا۔

روشن کھڑکی رہی کچھ لمحے کچھ سیکنڈ متذبذب حیران..... دکھ میں بھیگی ہوئی۔
ہمیں معلوم نہ تھا کہ ہمیں کیسے ایک دوسرے کو الوداع کہنی چاہیئے پھر وہ اندر کی
طرف مڑی اور پلٹی..... یکدم ہم دونوں بغل گیر ہو گئے اس کا پیٹ درمیان میں حائل
نہ ہوسکا۔ میں نے اپنے ہونٹ اس کے سر پر پیوست کر دیے اور اس کے آنسو میری
قمیض میں جذب ہونے لگے۔

یہ کل دس بارہ سیکنڈ کا واقعہ ہوگا۔ لیکن اس کے جسم کا قرب عرصہ تم کیرے ساتھ رہا
میرے ہونٹ اس کے سر کو کتنی ہی دیر چومتے رہے شاید میں بھی ہوائی جہاز کی
سیڑھیوں پر اس کے ساتھ تھا۔

پھر اس نے آخری بار ہاتھ ہلایا ہوئی جہاز کے پیٹ میں گھس گئی۔ اس کے بعد
افتخار نے اپنی اور اس کی سیٹ تلاش کی ہوگی اسے کھڑکی کی جانب بٹھایا ہوگا۔ اس

کے پیٹ کا خیال کر کے بلٹ باندھی ہوگی۔ شاید اس کی کھڑکی سے جنگلے کے ساتھ کھڑے لوگوں کا ہجوم بھی نظر آ رہا ہوگا۔ لیکن اب افتخار کا بالوں بھرا بازو ایئر ہوٹل کی اناؤنسمنٹ کے بعد آخری سگریٹ بجھاتے ہوئے اسے چھو رہا ہوگا۔ پلین کے اندر سندھی نوک میوزک سنتے ہوئے تمام مسافر ہوا کے لیے بنائے ہوئے Setducts کر رہے ہوں گے۔ افتخار نے بھی ہوا کا رخ روشن کی طرف کر دیا ہوگا۔

ٹھنڈی ہوا..... افتخار نئی منزل..... ہمیشہ ٹھنڈی ہوا کا تازہ جھونکا..... ایک نئی منزل کی ایئر لکٹ..... زخم کتنی جلدی مندمل ہونے کی صلاحیت رکھتے ہیں؟ اور پھر یہ تو کوئی زخم نہ تھا! ایئر پورٹ سے مجھے سیدھے سائیں جی طرف جانا تھا..... طے تھا کہ اس جمعرات کو میں سیسی سے ملوں گا..... سائیں جی دو دن پہلے سارا معاملہ طے کر چکے تھے اور وہ مجھ سے ملنے پر رضامند تھی مجھے اس سے ملنے پر صرف ایک سوال پوچھنا تھا اس سوال کو میں کئی طور پر ذہن میں ترتیب دے چکا تھا..... ”سیسی! اب تو تم مجھے اور آفتاب کو بہتر طور پر جانتی ہو بتاؤ اگر اب تمہیں ہم دونوں میں سے کسی کو پسند کرنا ہو تو کسے منتخب کرو گی؟“

جس وقت میں سائیں جی کے ڈیرے کی طرف جا رہا تھا اندر ہی اندر میں سیسی کے جواب سے خوفزدہ تھا کیا وہ اسی طرح نیلی جینز پہن کر بازو پر کینوس کا تھیلا لٹکائے آئے گی؟ کیا اب اس کا جواب وہی ہوگا جو زندگی میں تھا کبھی کبھی مجھے خیال آتا کہ شاید مصری عورتوں کے احرام کی طرح وہ ایک سفید لبادے میں ہوگی سر سے پاؤں تک ڈھکی ہوئی اور چہ..... شاید وہ میرے سوال کا جواب دینا پسند نہ کرے؟

سائیں جی کے ڈیرے پر مکمل خاموشی تھی اندر باہر کوئی نہ تھا صرف مغرب کی نماز کے بعد کا اندھیرا ساری جگہ چھایا تھا دیرے سے پار سائیں جی کی قبر اب مجھے بلا

رہی تھی میں آہستہ آہستہ ادھر چلنے لگا ایک بات بار بار دل میں آڑی تھی جسے میں دہانا چاہتا تھا۔ اگر یہی نے وہی جواب دیا جو وہ زندگی بھر دیتی آئی تھی پھر؟

جس وقت میں سائیں جی کی قبر سے کچھ فرلانگ دور پہنچا تو مجھے احساس ہوا کہ اس طرف سے کچھ لوگ ارہے ہیں یہ لوگ ٹکڑیوں میں چپ چاپ میرے پاس سے گزرتے گئے میں نے کسی کو سلام نہ کیا، نہ ہی کوئی مجھ سے مخاطب ہوا..... اندھیرے میں کچھ پتہ نہ چلتا تھا کہ یہ سب کون ہیں سائیں جی کی قبر سے کوئی ادھار فرلانگ ادھر بالکل خاموشی چھا گئی یہ جگہ ہمیشہ سے ایسی تھی لیکن تب مجھے اسی خاموشی سے خوف آنے لگا اونچے اونچے ٹیلے پر آنے زمانے کے ایسے جانوروں سے مشابہ نظر آئے جواب صفحہ ہستی پر موجود نہیں ہیں۔

جس قدر میں قبر کے پاس پہنچا تو ایک کتے نے آسمان کی طرف منہ اٹھا کر کہیں دور بین کیا۔

قبر کے اند کو دھنسی ہوئی تھی اور نیچے اترنے والی سیڑھیاں غائب تھیں قبر کے اوپر تازہ مٹی کا دھیر تھا میں نے قبر کے چاروں طرف گھوم کر دیکھا۔ اندر جانے کے تمام راستے مسدود تھے اور قبر ایسے لگتی تھی جیسے ابھی ابھی بنائی گئی ہو۔ پھر قریب ہی سے کہیں سسکیوں کی آواز آنے لگی۔ میں نے غور سے دیکھا ایک جھاڑی کے پاس سائیں جی کا کاص مرید منہ پر ہاتھ رکھے رونے کی آواز روکنے کی کوشش کر رہا تھا۔
”یہ..... یہ قبر کو کیا ہوا اللہ دتے؟.....“ میں نے پاس جا کر پوچھا۔

”بند ہو گئی.....“

”کیسے کیسے؟.....“

”سائیں جی کل شام اندر عصر کی نماز پڑھ رہے تھے..... قبر دھنس گئی..... ہم نے..... ہم نے اسے کھولا نہیں غائبانہ نماز جنازہ پر حادی یہی حکم تھا سائیں جی کا..... ایسے ہی فرما دیا تھا پیر مرشد نے..... انہیں تو وصال ہو گیا..... لیکن ہم کہاں